# حکومت وقت کے خلاف بغاوت

مولانا محمد علی ملک تخصص فی الدعوہ والارشاد

جامعہ دارالعلوم کراچی

اسلام ایک دائمی دین ہے۔انسان کی ذاتی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک ہر ہر پہلو پر اسلامی تعلیمات موجود ہیں۔معاشرہ میں رہنے والا ہر فرد ان تعلیمات سے راہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔اسلام کا مربوط نظام زندگی ہی انسانیت کی بہتر راہنمائی کرسکتا ہے۔

نسل انسانیت کی ابتداء میں نہ کوئی حکومت تھی' نہ کوئی ریاست' بلکہ سب لوگ حکومت کے بغیر اپنے اپنے طور پر انفرادی زندگی گزارتے تھے اس حالت کو فطری حالت سے تعبیر کیا جاتا ہے (انگریزی میں State of Nature) کہتے ہیں۔(اس نظریہ کو پیش کرنے والے آسمانی ہدایت سے محروم تھے' اس لیے انہوں نے اپنے طور پر گمان کرلیا کہ کوئی ایسا وقت گذرا ہوگا کہ کوئی حاکم محکوم نہیں ہوگا' اور اسی کو انہوں نے فطری حالت سے تعبیر کردیا) لیکن ان کا کہنا ہے کہ اس حالت میں افراد کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے تھے' اس سے جھگڑوں کی بنیاد پڑی' جس کے نتیجے میں ان سب نے ملکر یہ سوچا کہ کسی طرح کوئی نظام بنایا جائے تاکہ یہ مفادات کا ٹکراؤ جھگڑوں کا سبب نہ بنے' چنانچہ انہوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا کہ ہم سب کو خاص نظام کے ماتحت زندگی گزارنی چاہیے اس معاہدے کے نتیجے میں ریاست وجود میں آئی اور پھر ریاست کا کوئی سربراہ بھی ہونا چاہیے جو لوگوں کے لئے زندگی گزارنے کے قواعد اور اصول وضع کرے اور لوگ اس کی پابندی کریں۔اسی نظریہ کو معاہدہ عمرانی کہا جاتا ہے۔

اس معاہدہ عمرانی کے نتیجے میں دو مختلف لیکن متضاد نظام ہائے ریاست وجود میں آئے ایک نظام ''مطلق العنان حکمرانی'' اور ایک نظام عوامی حکومت کا۔فلاسفہ کافی عرصہ تک معاہدہ عمرانی کی تشریح مطلق العنان حکمرانی سے کرتے رہے۔پندرہویں

صدی تک معاہدہ حکمرانی کی تشریح اسی طرح کی جاتی رہی کہ چونکہ عوام نے خود اپنے مفاد کی خاطر اپنے تمام حقوق اور اختیارات ریاست کے سپرد کر دیئے ہیں' تو اب ریاست مطلق العنان حکمران ہے اور اس وجہ سے اس کا تمام افراد پر کنٹرول ہونا چاہیے۔

پندرہویں صدی میں فرانس میں علم سیاست کے تین فلسفی پیدا ہوئے:

(۱).....تھامس ہابس: Thomas hobbes

(۲).....لاک: Lock

(۳).....روسو: Roussou

ان تینوں کا زمانہ قریب قریب ہے۔ ہابس اور روسو کے نزدیک معاہدہ عمرانی کی تشریح تو تقریباً مطلق العنان بادشاہت ہی تھی لیکن روسو کے نزدیک اس معاہدہ کی تشریح بالکل مختلف تھی۔ روسو کا کہنا تھا ریاست خود وجود میں نہیں آئی' بلکہ عوام نے مل کر باہمی معاہدے کے ذریعے اسے وجود دیا لہذا جو بھی حاکم ہو تو درحقیقت اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں۔ عوام ہی نے اسے بااختیار بنایا ہے لہذا اس کا کام یہ ہے وہ ان عوام کی مرضی کے مطابق حکومت کرے۔ اور اگر وہ ان کی مرضی کے خلاف اور ان کی خیر خواہی کے خلاف حکومت کرتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ درحقیقت وہ خود معاہدہ عمرانی کی خلاف ورزی کر رہا ہے لہذا عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے معزول کر دے۔ اور معاہدہ عمرانی کے نتیجے میں مطلق العنان حکمرانی نہیں آنی چاہیے بلکہ حکومت عوام کی مرضی کے مطابق ہونی چاہیے۔ پھر اسی شخص کے ان افکار کے نتیجے میں انقلاب فرانس آیا۔

## نظریہ قوت:

ریاست کے وجود میں آنے کی ایک دوسری توجیہ جو فلسفیوں نے کی ہے' اسے نظریہ قوت کہا جاتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ریاست درحقیقت طاقت کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے جب کوئی ریاست موجود نہیں تھی تو لوگ آپس میں لڑتے تھے' اور ان جنگوں میں جو اپنی طاقت کے بل بوتے پر غالب آ گیا وہ دوسروں کا حکمران بن گیا۔ اس نظریہ کو انگریزی کے ایک فقرے سے تعبیر کرتے ہیں کہ (wars begot state) یعنی جنگوں نے ریاست کو جنم دیا۔ اور عوام کے درمیان ریاست قائم کرنے کے لئے کوئی پرامن معاہدہ نہیں ہوا۔ بلکہ درحقیقت ابتداء میں جب کوئی ریاست موجود نہیں تھی تو آپس میں مفادات کے ٹکراؤ سے لڑائیاں ہوتی تھیں' اس کے نتیجے میں جو فاتح بن گیا وہ حاکم اور جو مفتوح بن گیا وہ محکوم بن گیا اس نظریہ کے حامی اسے ظالمانہ قرار نہیں دیتے ان کا کہنا ہے کہ جو غالب آ گیا وہ اپنے صلاحیت کی بنا پر غالب آیا ہے' اور قوت اسی صلاحیت کا مظہر ہے

## اصل خداوندی کا نظریہ: (Theory of divine origin)

مسلمانوں اور اہل کتاب کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے دنیا میں بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں حاکم بنا دیا' اور باقی جو لوگ پیدا ہوئے وہ محکوم تھے' چنانچہ انسانوں پر کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا کہ جس میں وہ محض لاقانونیت کی زندگی گذار رہے ہوں' لہذا ریاست کو وجود میں لانے کے لئے کسی معاہدہ عمرانی کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ کوئی (فطری حالت) گذری جس میں کوئی ریاست موجود نہیں تھی' بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو پیدا کیا تو پہلے انسان ہی کو حاکم بنا کر بھیجا۔ علم سیاست کی اصطلاح میں اس کو نظریہ اصل خداوندی (Origin) Divine کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ یہ چند ان نظریات کا مختصر تعارف تھا جو عام طور سے علم سیاست میں بیان کئے جاتے ہیں اور جو مختلف حکومتی نظاموں کے قیام کے لئے بنے ہیں۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام میں حکومت کا تصور کیا ہے۔

## اسلام میں حکومت کا تصور:

حکومت و سیاست کے بارے میں اسلام نے جو احکام عطا فرمائیں ہیں' وہ اس وقت تک سمجھنا مشکل ہے جب تک حکومت کا صحیح تصور ذہن میں نہ ہو۔ گذشتہ سطروں میں ہم نے ان مختلف نظریات کا جائزہ لیا جو حکومت کے آغاز اور اس کے مقاصد کے بارے میں مختلف فلسفیوں نے بیان کئے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسلام نے جو تصور پیش کیا ہے وہ ان سب سے مختلف ہے اس کو سمجھنے کے بعد اسلام کے سیاسی احکام کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

## اسلامی حکومت کے تصور کی بنیاد: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:

اس تصور کی سب سے اہم بنیاد یہ ہے کہ اصل حاکمیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے اور دنیا کے حکمران اس حاکمیت کے تابع رہ کر حکومت کر سکتے ہیں۔ یہ ایک اصولی بنیاد ہے جس میں اختلاف اور اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ اسلامی سیاست کے دستور کی سب سے پہلی اور بنیادی دفعہ ہے جو قرآن کریم نے دوٹوک انداز سے بیان فرمائی ہے:

" ان الحکم الا للہ " . (الانعام:۵۷)

ترجمہ:۔ " حاکمیت صرف اللہ کی ہے " ۔

" اَلَا لَهُ الْحُكْمُ " .

ترجمہ:۔ " یادرکھو حاکمیت صرف اسی کو حاصل ہے " ۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر ایمان وہ اہم بنیاد ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد بہت سی باتیں خود بخود واضح ہو جاتی ہیں۔ جس طرح معاہدہ عمرانی میں اس کی نفی ہے (اس لیے کہ اس نظریہ کی بنیاد وحی پر نہیں) ہے' جسے حکومت کی ابتداء کے بارے میں سب سے زیادہ مقبول نظریہ سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے اصول سے اس کی مکمل طور پر نفی ہو جاتی ہے اور اسی سے پتا چلتا ہے حقیقت میں معاہدہ عمرانی کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ نظریہ محض ذہنی اختراع ہے جس کا کوئی عملی ثبوت موجود نہیں ہے۔ محض ایک تصور قائم کر لیا گیا اسی کے بارے قران کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

" مَالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ " (۲۰)

ان لوگوں کو اس بات کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ ان کا کام اس کے سوا نہیں کہ اندازے لگاتے ہیں۔

وحی الٰہی سے اس کا پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

" اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط "

میں زمین میں ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ روئے زمین پر جو پہلے انسان آئے یعنی حضرت آدمؑ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بن کر آئے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ پہلے حاکم تھے اور باقی ان کے محکوم تھے' پہلے انسان کے ساتھ ہی حکومت وجود میں آ گئی' لیکن اس حکومت کا اصل الاصول یہی تھا کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے' لہذا کوئی بھی حکم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہیں چل سکتا اور جو کوئی حاکم بنے' وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا ماتحت ہے اور اس کا نائب ہے جسے خلیفہ کہتے ہیں۔

اسلام میں حکومت ایک مسئولیت ہے ایک ذمہ داری کا نام ہے کوئی ایسا حق نہیں جسے حاصل کرنے کے لئے انسان جدوجہد کرے ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

" الامام راع و مسئول عن رعیته " (صحیح بخاری' کتاب الجمعه حدیث ۸۹۳) .

امام (سربراہ حکومت) نگراں ہے' جن کی نگرانی اس کے سپرد ہے' ان کے بارے میں اسے جواب دینا ہوگا۔

اسلام کے اس تصور سے معلوم ہوا حکومت ایسی ذمہ داری ہے جس سے جتنا ہو سکے بچ کر رہنا چاہیے۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور اقدس ﷺ سے خواہش ظاہر کی کہ انہیں کسی جگہ اقتدار دیا جائے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

" یا ابا ذر !انک ضعیف ،وانها امانة ،و یو م القیامة خزی و ندامة ،الا من اخذها بحقها وادی الذی علیه فیها "

اے ابوذر! تم کمزور ہو اور (حکومت) ایک امانت ہے اور قیامت کے دن رسوائی اور پشیمانی ہے مگر یہ کہ کوئی برحق طریقے سے یہ امانت لے اور اس پر جو حقوق عائد ہوں انہیں ٹھیک ادا کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یقیناً تم لوگ امیر بننے کی حرص کرو گے حالانکہ وہ قیامت کے دن پشیمانی کا باعث ہوگی کیونکہ وہ دودھ پلانے والی تو بہت اچھی ہے، لیکن دودھ چھڑانے والی بہت بری۔

" انکم ستحرصون علی الامارة ،و ستکون ندامة یوم القیامه ،فنعم المرضعه و بئست الفاطمه "

مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو امارت اور حکومت حاصل ہوتی ہے ۔تو شروع میں بہت اچھی لگتی ہے لیکن جب اس کا محاسبہ ہوتا ہے چاہے دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو تو اس وقت پتا چلتا ہے کہ یہ کتنی مشکل ذمہ داری تھی۔

اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت مقدام بن معدیؓ سے فرمایا:

" افلحت یا قدیم !ان مت و لم تکن امیرا و لا کاتبا و لا عریفا "

اے قدیم! اگر تمہیں ایسی حالت میں موت آئے کہ نہ تم کبھی امیر بنے ہو نہ حکومت کے کاتب اور نہ کسی قوم کے نمائندے تو تم کامیاب ہو گئے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو کسی نے تجویز پیش کی کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا جائیں تو اس پر انہوں نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا:

" بحسب آل عمر ان یحاسب منهم رجل واحد و یسال عن امت محمد .لقد و جهت نفسی و

حرمت اهلی .ان نجوت کفافا لا وزور ولا اجر 'انی لسعید " . (تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۸۰)۔

یعنی :عمر کے خاندان کے لئے اتنا کافی ہے کہ ان میں سے صرف ایک شخص سے حساب لیا جائے' اور امت محمدیہ کے بارے میں باز پرس کی جائے۔ میں اپنے آپ کو اس مشقت میں ڈال چکا ہوں اور میں نے اس کو اپنے گھر والوں کے لئے حرام کر دیا ہے اور اگر میں اس طرح برابر سرابر چھوٹ جاؤں کہ نہ گناہ ہو نہ ثواب تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کا نکتہ نظر بالکل مختلف ہے۔ آج دنیا میں حکمرانی کو ایک مفاد سمجھا جاتا ہے۔ جسے حکمرانی مل جائے وہ خوش نصیب ہے اور اگر کسی کو یہ منصب نہ مل سکے تو محروم سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام میں جو حکمرانی کے بغیر چلا گیا وہ خوش نصیب اور کامیاب ہے۔

## بغاوت فقہاء کی نظر میں:

قرآن وحدیث نے جس طرح حکومت کرنے کے احکام کو بیان کیا اسی طرح حکومت کے خلاف بغاوت کے احکامات کو بھی بیان کیا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کو شدید جرم قرار دیا ہے اور باغی کی سزا موت قرار دی ہے۔ حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت تو بالاجماع حرام ہے فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں۔

البتہ ایک ظالم یا غیر اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کس وقت ہو سکتی ہے۔ اس مسئلے میں فقہاء نے کافی مفصل بحثیں کی ہیں یہ بات تو احادیث سے واضح ہے کہ اگر حکمران سے کفر بواح (واضح کفر) کا صدور ہو جائے تو اس کے خلاف بغاوت بالکل برحق ہے۔ لیکن اگر اس سے فسق وفجور سرزد ہو تو اس صورت میں عموماً فقہاء بغاوت کو جائز نہیں کہتے۔ کیونکہ احادیث میں صرف واضح کفر کی صورت میں بغاوت کی اجازت دی گئی ہے' لیکن اس کے برعکس بعض احادیث کے کچھ الفاظ اس کے خلاف بھی نظر آتے ہیں۔ جن سے حکمران کے فسق کی صورت میں بغاوت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے' اسی بنا پر فقہاء کی عبارتیں متضاد سی نظر آتی ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں کبار علماء کو اشکال رہا ہے اور کوئی واضح بات سامنے نہیں آئی۔ اس مسئلے پر بحث سے پہلے بغاوت کی لغوی تعریف کا جاننا ضروری ہے۔

## بغاوت کی لغوی تعریف:

بغاوت البغی سے مشتق ہے اور البغی لغوی طور پر کبھی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی تعدی (ظلم وزیادتی) کے لئے۔ اصطلاح فقہاء میں بغاوت سے مراد ایسی حکومت کے احکامات کو نہ ماننا ہے اور اس کے خلاف مسلح خروج کرنا ہے جس کا حق حکمرانی

قانون کے مطابق قائم ہوا ہو۔

## ۱۔ابن فارس کے مطابق:

**بغی :الباء و الغین والیاء 'اصلان :احدھما طلب الشیء 'والثانی :جنس من الفساد والاصل الثانی :قولھم بغی الجرح 'اذا تراقی الی فساد 'ثم یشتق من بعدہ 'فالبغی الفاجرہ .والبغی الظلم .(ابن فارس 'معجم مقاییس اللغہ (مادہ بغی): ۱۴۴)**

.."بغی" کا مادہ باء غین اور یاء ہے اور اس کی اصل دو چیزیں ہیں۔ پہلا معنی کسی چیز کا طلب کرنا ہے جبکہ دوسرے معنی کے مطابق یہ فساد کی ایک قسم ہے۔دوسرے معنی کی مثال اہل زبان کا یہ کہنا ہے:بغی الجرح' زخم فساد کی حد تک بڑھ گیا یعنی بہت زیادہ خراب ہو گیا۔اس سے اس نوعیت کے دیگر الفاظ مشتق ہوتے ہیں مثلا (بغی) بری عورت کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ شرم وحیا کی حدیں پھلانگ کر بدکاری کی مرتکب ہوتی ہے اور بغی ظلم کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔"

## ۲۔علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

علامہ حصکفی (م۱۰۸۸)در المختار میں بغاوت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**البغی لغۃ الطلب '﴿ذلک ما کنا نبغی﴾.**

**(۱)الکھف'۱۸ :۶۴.وعرفا :طلب ما لا یحل من جور و ظلم .(حصکفی'الدر المختار '۴: ۲۶۱).**

لغت کی رو سے بغی کا معنی ہے" طلب کرنا" مثلا ﴿ذلک ما کنا نبغ﴾ میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے اور عرف میں اس سے مراد ناجائز ظلم وستم کرنا ہے۔

یہی معنوی تفصیلات تہذیب اللغہ 'الصحاح 'اور لسان العرب میں بھی مذکور ہیں۔

## بغاوت کی اصطلاحی تعریف:

اہل لغت نے بغاوت کی کئی تعریفات کی ہیں اور وہ سب ایک ہی معنوی اصل کی طرف لوٹتی ہیں۔اسی طرح مختلف فقہی مذاہب میں بھی بغاوت کی کئی تعریفات کی گئی ہیں۔ائمہ اربعہ کے نزدیک بغاوت کی تعریف درج ذیل ہے:

## فقہاء احناف کے ہاں بغاوت کی تعریف:

فقہاء احناف میں ایک نمایاں نام علامہ ابن ہمام (ذم ۸۶۱ھ) کا ہے۔ انہوں نے فتح القدیر میں بغاوت کی سب سے جامع تعریف کی ہے اور باغیوں کی مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

والبا غی فی عرف الفقهاء الخارج عن طاعة امام الحق ,والخارجون عن طاعته اربعة اصنا ف :

احدها :الخارجون بلاتاويل بمنعة و بلا منعة 'ياخذون اموال الناس ويقتلونهم و يخيفون الطريق 'وهم قطاع الطريق ,والثانی :قوم كذلک الا انهم لا منعة لهم لكن لهم تاويل .فحكمهم حكم قطاع الطريق . ان قتلو ا قتلواوصلبوا .وان اخذو ا مال المسلمين قطعت ايديهم و ارجلهم على ما عرف.

والثالث :قو م لهم منعة و حمية خرجو ا عليه بتاويل يرون انه على باطل كفر او معصية .يو جب قتاله بتاويلهم .وهولاء يسمون بالخوارج يستلحون دماء المسلمين واموالهم و يسبون نسائهم و يكفرون اصحاب رسول الله ﷺ.و حكمهم عند جمهور الفقاء و جمهور اهل الحديث حكم البغاة.....

والرابع :قوم مسلمون خرجوا على امام لم يستجيبوا ما استباحه الخوارج 'من دماء المسلمين وسبى ذراريهم و هم البغاة.(ابن همام 'فتح القدير' ۵: ۳۳۴).

فقہاء کے ہاں عرف عام میں آئین وقانون کے مطابق قائم ہونے والی حکومت کے نظم اور اتھارٹی کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے والے کو باغی کہا جاتا ہے حکومت وقت کے نظم کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی چار قسمیں ہیں:

" پہلی قسم ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو طاقت کے بل بوتے پر یا طاقت کے بغیر بلا تاویل حکومت کی اتھارٹی سے خروج کرتے ہیں اور لوگوں کا مال لوٹتے ہیں' انہیں قتل کرتے ہیں اور مسافروں کو دھمکاتے ہیں' یہ لوگ راہزن ہیں "۔

دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کے پاس غلبہ پانے والی طاقت وقوت تو نہ ہو لیکن بغاوت کی غلط تاویل ہو' پس ان کا حکم بھی راہزنوں کی طرح ہے۔ اگر یہ قتل کریں تو بدلہ میں انہیں قتل کیا جائے اور پھانسی چڑھایا جائے اور اگر مسلمانوں کا مال لوٹیں تو ان پر شرعی حد جاری کی جائے۔

تیسرے قسم کے باغی وہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت وقوت اور جمعیت بھی ہو اور وہ کسی من مانی تاویل کی بناء پر حکومت کی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور ان کا یہ خیال ہو کہ حکومت باطل ہے اور کفر ومعصیت کی مرتکب ہو رہی ہے۔ ان کی اس

تاویل کے باوجود حکومت کا ان کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہوتا ہے۔ایسے لوگوں پر خوارج کا اطلاق ہوتا ہے جو مسلمانوں کے قتل کو جائز اوران کے اموال کو حلال قرار دیتے تھے اور مسلمانوں کی عورتوں کو قیدی بناتے اور اصحاب رسول ﷺ کی تکفیر کرتے تھے۔ جمہور فقہاء اور ائمہ حدیث کے ہاں ان کا حکم بھی خوارج کی طرح ہی ہے۔

'' چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت تو کی لیکن ان چیزوں کو مباح نہ جانا جنہیں خوارج نے جائز قرار دیا تھا جیسے مسلمانوں کو قتل کرنا اوران کی اولادوں کو قیدی بنانا وغیرہ۔یہی لوگ باغی ہیں ''۔

## ۴۔علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

علامہ ابن عابدینؒ نے ردالمحتار میں بغاوت کی تعریف اس طرح کی ہے:

**اهل البغی: كل فئة لهم منعة .يتغلبون و يجتمعون و يقاتلون اهل العدل بتاويل يقولون "الحق معنا " و يدعون الولايه.ابن عابدين ،ردالمحتار ،۴: ۲۶۲.**

'' باغیوں سے مراد ہر وہ گروہ ہے جس کے پاس مضبوط ٹھکانے ہو اور طاقت ہو اور وہ غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔لوگوں کو منظم کر کے مسلم ریاستوں کے خلاف (خود ساختہ) تاویل کی بنا پر جنگ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور حکومت کا دعوی کرتے ہیں۔

## فقہاء مالکیہ کے ہاں بغاوت کی تعریف:

امام مالک کا شمار بھی قرون اولی کے فقہاء میں ہوتا ہے۔مالکی فقہاء کرام نے بھی بغاوت کی تعریف یہی کی ہے کہ جو خود ساختہ تاویلات کی بناء پر مسلح کرتے ہیں اور بطور پرامن شہری اپنے حقوق ادا نہیں کرتے۔

امام محمد بن احمد بن جزی الکلبی الغرناطی (م ۷۴۱ھ) نے ''القوانین الفقہیہ) میں لکھا ہے:

**البغاة هم الذى يقاتلون على التاويل ،والذين يخرجون على الامام ،او يمتنعون من الدخول فى طاعته ،او يمنون حقا وجب عليهم كالزكاة و شبهها.(ابن جزى الكلبى ،القوانين الفقيهيه : ۳۶۴ )۔**

باغی لوگ وہ ہیں جو مسلم ریاست کے خلاف خود ساختہ تاویل کی بنا پر مسلح بغاوت کرتے ہیں یا اس کی اتھارٹی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ حق ادا نہیں کرتے جس کی ادائیگی ان کے ذمہ لازم تھا جیسا کہ زکوۃ کی ادائیگی یا اس طرح

کے حقوق ادا نہیں کرتے۔

## فقہاء شافعیہ کے ہاں بغاوت کی تعریف:

فقہاء شافعیہ میں سے امام نوویؒ نے اپنی کتاب ''روضۃ الطالبین'' میں ایک مستقل باب ''قتال البغاۃ'' کے عنوان سے قائم کیا ہے جس میں دیگر تفصیلات کا تذکرہ کرنے سے قبل باغی کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

" الباغی فی اصطلاح العلماء هو المخالف لامام العدل 'الخارج عن طاعته بامتناعه من اداء واجب علیه او غیره بشرط " . (نووی 'روضة الطالبین' ۱۰ : ۵۰) .

علماء کی اصطلاح میں باغی مسلم حکومت کے اس مخالف کو کہتے ہیں جو اس کی اتھارٹی تسلیم نہ کرے اس طرح کہ جو اس پر یا دوسروں پر واجب ہے وہ مشروط طور پر روک لے۔

## (۴) فقہاء حنابلہ کے ہاں بغاوت کی تعریف:

فقہاء حنابلہ میں ابن ہبیرہؒ الحنبلی (م ۵۸۷) نے باغیوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

۱. واتفقوا علی انه اذا خرج علی امام المسلمین طائفة ذات شوکة بتاویل مشتبه 'فانه یباح قتالهم حتی قتالهم حتی یفیئوا. ابن هبیره 'الافصاح : ۴۰۲)

" تمام ائمہ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جب طاقت اور مضبوط ٹھکانوں والا کوئی گروہ کسی مشتبہ تاویل کی بناء پر مسلم حکومت کے نظم سے نکل جائے تو اس کے ساتھ جنگ کرنا مباح ہے یہاں تک کہ وہ واپس لوٹ آئے " ۔

۲۔ امام ابن قدامہؒ (۶۲۰ھ) نے بغاوت کی تعریف میں لکھا ہے:

" قوم من اهل الحق خرجوا علی الامام بتاویل سائغ 'وراموا خلعه 'ولهم منعة و شوکة " .

(ابن قدامه 'الکافی' ۴ : ۱۴۷) .

مسلمانوں کا ایک گروہ جس نے حکومت وقت کے خلاف ظاہر غلط تاویل کی بناء بغاوت کی' اور حکومت کو ختم کرنے کا ارادہ کیا، اور ان کے پاس محفوظ ٹھکانے اور طاقت تھی (اسے : غی کہا جاتا ہے)۔

۴۔امام ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن مفلح الحنبلی (م۸۸۴ھ)''المبدع'' میں لکھتے ہیں:

البغی : '' مصدر بغی یبغی بغیا اذا اعتدیٰ .المراد ھنا الظلمه الخارجون عن طاعته الامام المعتدون علیه. ابن مفلح 'الفروع '' (۱۴۷:۶)

'' البغی (بغاوت) بغی یبغی بغیا سے مصدر ہے جب کوئی زیادتی کرے تو اسے باغی کہا جاتا ہے۔اور یہاں اس سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جو حکومت وقت کے خلاف سرکشی کرنے ہوئے اس کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں ''۔

## حکومت کے خلاف بغاوت ائمہ اربعہ کی نظر میں:

## بغاوت کے بارے میں امام اعظمؒ کا موقف:

قرون اولی میں امام ابوحنیفہؒ حضرت حسن بن صالحؒ جیسے کبار فقہاء کا مسلک یہ تھا کہ ایسے فاسق حکمرانوں کے خلاف مسلح کاروائی جائز ہے جن کے طرز حکمرانی سے شریعت کا استخفاف لازم آتا ہو۔اسی وجہ سے امام اعظمؒ نے حضرت زید بن علی اور حضرت ابراہیم نفس زکیہؒ کے خروج کی حمایت کی تھی لیکن اس بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ خروج جہاں کہیں بھی جائز ہوتا ہے'اس کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں۔ایک یہ کہ طاقت کے ذریعے حکومت کو ہٹا دینے کی قدرت ہو'اور دوسرا یہ کہ اس کو ہٹانے میں اور کوئی اس سے بڑا مفسدہ پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو۔اس بارے میں بھی اختلاف رائے کا امکان ہے۔اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ جو اگر خروج کو فی نفسہ جائز سمجھتے تھے لیکن خود آپ نے اس میں شرکت نہیں فرمائی۔قرون اولی کے بعد فقہاء کرام کا (جن میں حنفی فقہاء بھی داخل ہیں) اس بات پر تقریباً اتفاق ہو گیا کہ مختلف تجربوں سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس قسم کی کاروائیوں کا کبھی کوئی بہتر نتیجہ نہیں'اس لئے ان سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔چنانچہ حضرت حسن بن صالحؒ کی رائے بھی بدل گئی۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

(الحسن بن صالح) کان یری السیف یعنی کا ن یری الخروج بالسیف علی ائمة الجور .وھذا مذھب للسف القدیم 'لکن استقر الامر علی ترک ذلک لما رواه قد افضی الی اشد منه 'ففی وقعة الحرة ووقعة ابن الاشعث وغیرھما عظة لمن تدبر ......

(والحسن مع ذلک لم یخرج علی احد. تھذیب التھذیب ج ۲ ص ۲۴۸ 'ترجمة الحسن بن صالح)۔

"حسن بن صالحؒ ظالم حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت کو جائز سمجھتے تھے' اور یہ سلف کا قدیم مذہب ہے' لیکن بعد میں امت کی رائے یہ قرار پائی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے' کیونکہ امت کے علماء نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ مسلح بغاوت پہلے سے زیادہ برے حالات کا سبب بنی ہے' چنانچہ حرہ کے واقعات اور ابن الاشعث کے واقعات میں غور کرنے والے کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے۔ اور حضرت حسن بن صالحؒ نے بھی اسے (جائز سمجھنے) کے باوجود کسی کے خلاف بغاوت نہیں کی "۔

یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ نے بھی بعد میں اسی موقف کا اظہار کیا جیسا کہ علامہ زاہد الکوثریؒ نے امام اعظمؒ کے الفاظ نقل کئے ہیں' جن میں امام صاحبؒ نے باغیوں کے ساتھ نہ دینے کا قول اختیار کیا ہے۔

باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے کے حوالے سے علامہ زاہد الکوثریؒ نے امام اعظمؒ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:

**قال ابو حنیفه:**

**" فقاتل اهل البغی بلبغی لا بلکفر .وکن مع الفئته العادله .ولا تکن مع اهل البغی.فان کان فی اهل الجماعة فاسدون ظالمون .فان فیهم ایضا صالحین یعینونک علیهم 'وان کانت الجماعة باغیةفاعتزلهم واخرج الی غیرهم . " قال الله تعالی "**

**﴿ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ﴾النساء':۹۷ ﴿ان ارضی واسعة فایای فاعبدون﴾ . (العنکبوت۵۲) .**

**(۲)ابو حنیفه'الفقه الابسط(فی العقیده وعلم الکلام من اعمال الامام محمد زاهد الکوثری ).**

**(باب فی القدر :۲۰۲'۲۰۷) .**

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: باغیوں کے ساتھ قتال کرو اس وجہ سے نہیں وہ کفر پر ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ باغی ہیں اور اعتدال پسند فرقے کا ساتھ دینا چاہیے نہ کہ باغیوں کا۔ فرض کریں ہیئت اجتماعی میں جہاں کچھ لوگ اگر مفسد اور ظالم ہیں تو وہیں بعض لوگ نیکوکار بھی ہوتے ہیں یہی نیک لوگ ان گمراہ لوگوں کے خلاف آپ کی مدد کریں گے۔ بالفرض اگر لوگوں کی اکثریت ہی مسلح بغاوت پر اتر آئے تو اہل حق کو چاہیے کہ وہ ان باغیوں سے علیحدگی اختیار کریں اور کہیں اور ہجرت کر جائیں جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ بے شک میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔

## امام طحاویؒ کی نظر میں:

مذہب حنفیہ کے جلیل القدر امام ابوجعفر طحاویؒ فرماتے ہیں:

" ولا نرى السيف على احد من امت محمد الا من وجب عليه السيف ولا نرى الخروج على ائمتنا وولاة امورنا وان جاروا والاندعو عليهم ولا ننزع يدا من طاعتهم "

ہم حکومت وسلطنت کے خلاف عسکری بغاوت کو جائز نہیں سمجھتے خواہ وہ خطا کار ہی ہو۔ اور نہ ہی ان کی حاکمیت کو چیلنج کرتے ہیں۔

امام ابن ابی العز الحنفیؒ نے امام طحاویؒ کی اسی عبارت کی شرح میں ﴿صحیح مسلم﴾ میں حضرت عوف بن مالک سے روایت کی گئی حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں حضور اکرم ﷺ کا صریح حکم ہے کہ اگر امراء وحکام شرار اور قابل نفرت بھی ہوں، تب بھی جب تک مسلمان ہیں ان کے خلاف مسلح بغاوت اور خروج جائز نہیں۔

اسی طرح حکم نبوی ﷺ "ولا عن يدا من طاعته" کو بھی انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔

## امام مالکؒ کا موقف:

باغیوں کی سرکوبی کے لئے مالکی فقہ کی معروف کتاب "المدونة الكبرى" میں امام سحنون مالکیؒ نے امام مالکؒ سے یوں روایت کیا ہے:

قال مالكؒ في الاباضيه، والحروريه، واهل الاهواء كلهم ارى ان يستتابوا، والا قتلو. قال ابن القاسم: وقال مالكؒ في الحروريه وما اشبههم: انهم يقتلون اذا لم يتوبوا اذا كان الامام عدلا. فهذا يدلك على انهم خرجوا على امام عدل وهم يريدون قتاله ويدعون الى ما هم عليه دعوا الى الجماعة والسنة، فان ابو قتلوا.

قال ولقد سئالت مالك عن اهل العصبية الذين كانو بالشام.. قال مالك ارى للامام ان يدعوهم الى الرجوع، والى مناصفة الحق بينهم، فان رجعو اوالا قوتلوا.

(۱) سحنون، المدونة الكبرى، ۳: ۹۴.

امام مالکؒ نے (خارجیوں کے گروہ) اباضیہ حروریہ اور اہل ہواء (گمراہ ٹولہ) کے بارے میں فرمایا کہ انہیں پہلے توبہ کرنے کی دعوت دی جائے اگر وہ توبہ کرلیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کردیا جائے۔ امام ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے حروریہ اور ان کی مثل دیگر گمراہ گروہوں کے بارے میں کہا ہے کہ اگر وہ اپنی تخریبی سرگرمیوں سے توبہ نہ کریں تو انہیں قتل کردیا جائے بشرطیکہ امام عادل ہو۔ یہ قول تمہیں اس بات کی بھی راہنمائی فراہم کرتا ہے کہ اگر وہ عادل حکمران کے خلاف بغاوت کریں اور اس کے ساتھ جنگ کا ارادہ کریں اور اس سے اپنے منشور کے قبول کرنے کا مطالبہ کریں تو انہیں پہلے امام کی اطاعت کی طرف بلایا جائے گا اگر وہ انکار کردیں تو انہیں قتل کیا جائے۔

امام سحنونؒ کہتے ہیں: میں نے امام مالکؒ سے شام کے عصبیت پسند گروہ کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: میرے خیال میں حکومت کو چاہیے کہ انہیں اپنے موقف سے رجوع کرنے اور باہمی انصاف کی دعوت دے اگر وہ پلٹ آئے تو ٹھیک ورنہ انہیں قتل کردیا جائے۔

## بغاوت کے بارے امام شافعیؒ کا موقف:

تقریبا تمام آئمہ کرام نے بغاوت کے مسئلہ میں تحقیق کی اور امت کی درست راہنمائی کی ان میں امت کے جلیل القدر پیشوا امام شافعی بھی شامل ہیں آپ نے باغیوں کے متعلق فرمایا:

**ولوان قوما كانو ا في مصر او صحراء فسفكواالدماء واخذو ا الاموال ،كا ن حكمهم كحكم قطاع الطريق ،و سواء المكابرة في المصراو الصحراء ،ولو افترقا كانت المكابرة في المصر اعظمهما. (۱)شافعي ،كتاب الام ،۴: ۲۸.**

اگر کوئی شرپسند گروہ کسی شہر میں یا کسی صحراو بیابان میں خونریز کاروائی کرے اور اور لوگوں سے مال واسباب چھین لے تو ان کی سزا کا حکم راہزنوں کی طرح ہے۔ اور لوٹ کھسوٹ اور حق تلفی شہری آبادی میں ہو یا جنگل و بیابان میں سنگینی کے لحاظ سے برابر ہے۔ اگر انہیں جدا جدا بھی دیکھا جائے تو شہری آبادی میں لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت زیادہ بھیانک ہے۔

امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں:

**فاذا دعی اهل البغی فامتنعوا من الاجابة فاقاتلوا .......فانما ابیح**

**قتال اهل البغي ما كانو يقاتلون ،وهم لا يكونون مقاتلين ابداالا مقبلين ممتنعين مريدين .فمتى زايلو ا**

هذه المعانی فقد خرجوا من الحال التی ابیح بها قتالهم ،وهم لا یخرجون منها ابدا الا الی ان تکون دمائهم محرمة کهی قبل.(شافعی ،کتاب الام ،۴:۲۱۸.

" جب باغی گروہ کو راہ راست کی طرف پلٹنے کی دعوت دی جائے اور وہ اسے قبول کرنے سے گریزاں ہوں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی "

پس باغی عناصر کے ساتھ جنگ اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ مسلح عسکری کاروائیاں کرتے رہیں۔

وہ عسکری کاروائیاں ہمیشہ جاری نہیں رکھ سکتے بلکہ کبھی وہ سامنے آئیں گے اور کبھی ارادی طور پر مخفی سرگرمیوں میں ملوث رہیں گے۔لہٰذا جب بھی وہ مکمل طور پر پرامن ہو جائیں تو اپنے خلاف جنگ کی حالت سے نکل آئیں گے،اور اگر وہ عسکری کاروائیوں سے باز رہیں گے تو ان کا خون پہلے کی طرح دوبارہ حرام ہوگا۔

## مسلح بغاوت کے خلاف امام احمد بن حنبلؒ کا عمل اور موقف:

فتنہ پروری، دہشت گردی، اور خون ریزی سے حتی الوسع بچنے کے لئے ائمہ کرام نے ہمیشہ اعتدال پسندی ضبط و تحمل کا درس دیا ہے۔چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ خلق قرآن جیسے ایمانی مسئلہ پر شدید دباؤ اور بے پناہ تکلیفیں حتی کے قید و بند اور کوڑوں کی صعبتیں برداشت کرنے کے باوجود عامۃ المسلمین کو حکومت وقت کے خلاف بغاوت پر نہیں اکسایا۔خلق قران کا فتنہ امت مسلمہ کے لئے خطرناک ترین فتنوں میں سے ایک تھا جو معتزلہ کے انتہا پسند عقائد میں سے ایک تھا اور اس نے حکمرانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

یہی وجہ ہے اس دور میں بغداد اور بلاد اسلام کی بڑی بڑی شخصیات حکومتی مخالفت اور مظالم کا شکار ہوئیں جن میں امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل تھے۔اسی فتنہ کے سبب آپ کو کوڑے مارے گئے اور آپ کی شہادت واقع ہوگئی لیکن زندگی بھر آپ نے لوگوں کو بغاوت اور حکومت کے خلاف مسلح خروج سے روکے رکھا۔

آپ کے صبر و تحمل کے یہ واقعات بہت سی معروف کتب میں منقول ہیں۔چنانچہ ابوبکر بن خلال نے اپنی کتاب " السنۃ " میں صحیح اسناد کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کی ہے۔حضرت ابو حارث فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام احمد بن حنبل سے بغاوت کی اس تحریک کے متعلق پوچھا جو بغداد میں حکومت کے خلاف چل رہی تھی کیونکہ بنو عباس کے حکمران معتزلہ سے متاثر ہو کر عامۃ المسلمین کے مشکلات پیدا کر رہے تھے۔امام احمدؒ سے جب حکومت مخالف بغاوت میں شمولیت اور سرپرستی کی درخواست کی

گئی تو آپ نے جو کلمات ادا فرمائے وہ کتنے واضح ہیں' ملاحظہ ہوں:

سبحان اللہ 'الدماء 'الدماء'لا اری ذلک 'ولا امربہ 'الصبر علی ما نحن فیہ خیر من الفتنہ یسفک فیہ الدماء 'ویستباح فیھا الاموال 'وینتھک فیھا المحارم.

(خلال 'السنۃ 'باب الانکا ر علی من خرج علی السلطان: ۱۳۲ 'رقم: ۸۹).

اس روایت کی سند صحیح ہے۔

" سبحان اللہ۔خونریزی' خونریزی' میں اسے جائز نہیں سمجھتا۔نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں۔ہم جس صورتحال سے دوچار ہیں اس پر صبر کرنا اس فتنہ بغاوت سے بہتر ہے جس میں مسلمانوں کے ناحق خون بہائے جائیں' مال لوٹے جائیں اور اور عزتیں پامال ہوں "۔

لوگوں نے پھر اصرار کیا اور کہا کہ کیا ہم آج ایک ایسے فتنہ میں مبتلا نہیں جس کو ختم کرنے کے لئے جہاد ضروری ہو جاتا ہے؟ مخاطب کی بات سن کر' آپ نے فرمایا: بلاشبہ یہ ایک فتنہ ہے جو تھوڑے دنوں میں ختم ہو جائے گا لیکن اگر اس کے مقابلے میں تلواریں نیام سے نکل آئیں تو قتل عام ہوگا اور امن اور خیر کے دروازے بند ہو جائیں گے۔لہذا آپ ان حالات کو صبر وتحمل سے گزارنے کی تلقین فرماتے رہے۔خلیفہ واثق باللہ کے عہد میں بغاوت نے جب زور پکڑ لیا تو تمام فقہاء بغداد جمع ہو کر امام احمد بن حنبلؒ کے پاس حاضر ہوئے اور بگڑتی ہوئی صورتحال کا تذکرہ کیا۔آپ نے ان سے پوچھا وہ کیا چاہتے ہیں؟ تمام جلیل القدر علماء نے متفقہ طور پر عرض کیا کہ ہم آپ سے مشورہ کرنے آئے ہیں ہم تو حکومتی موقف سے تنگ آ چکے ہیں اور خلیفہ واثق باللہ کے خلاف بغاوت میں شامل ہو کر اس کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں۔

آپ نے سمجھایا اور فرمایا بلاشبہ معاملہ خطرناک ہو چکا ہے مگر آپ لوگ حکومت کی حاکمیت کو چیلنج کرنے کا ارادہ ترک کر دیں۔امام احمد بن حنبلؒ نے زور دے کر فرمایا:

علیکم بالنکرۃ بقلوبکم 'والا تخلعو ا یدا من طاعتہ 'ولا تشقو ا عصا المسلمین 'والا تسفکوا دمائکم ودماء المسلمین معکم' انظروا فی عاقبۃ امورکم 'واصبرو حتی یستریح بر'او یستراح من فاجر .لا'ھذا خلاف الآثار التی امرنا فیھا الصبر .

( خلال السنۃ 'باب الانکار علی من خرج علی السلطان :۱۳۳ 'رقم )

تم دل میں میں اس مسئلہ کو برا سمجھو لیکن حکومت وقت کی حاکمیت یعنی نظم اور اتھارٹی کو چیلنج مت کرو اور نہ مسلمانوں کی قوت اور وحدت کو توڑو اور اپنا اور مسلمانوں کا خون مت بہاؤ اور اپنے اس معاملہ کے انجام پر غور کرو اور صبر کرو یہاں تک کہ نیک آدمی کو آرام ملے یا فاسق و فاجر سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ اور یہ خروج ان آثار (یعنی صحابہ و تابعین کی روایات اور تعلیمات) کے خلاف ہے جن میں ہمیں ایسے حالات میں صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ بے وجہ قتل و غارت گری کو اسلام میں پسند نہیں فرمایا گیا اسلام نے امن و امان پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو دیکھئے 'کعبۃ اللہ کو تعمیر کرنے کے بعد فرمایا:

" وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ "

ترجمہ:..... جب ابراہیمؑ نے کہا اے رب! اس شہر کو امن امان کا گہوارہ بنا دیجئے شہر بسانے کے بعد سب سے پہلے امن کی دعا کی۔

بعض مغربی مصنفین اور دانشوروں کو اس بات سے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ اسلام نے امن و امان پر زور دیا ہے اور حاکم وقت کے خلاف بغاوت سے منع کیا ہے، لہٰذا اسلام میں جب ایک حکومت قائم ہو جائے تو اس کو معزول کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے' لیکن یہ خیال قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اسلام میں جس طرح کسی امیر یا خلیفہ کا تقرر پر امن طور پر ہو سکتا ہے اسی طرح اس کو معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔ معزولی کے دو طریقے ہیں ہے پر امن طریقے سے معزولی یا پھر مسلح بغاوت کے ذریعے معزول کیا جائے۔

## پر امن معزولی:

مندرجہ ذیل اسباب کی بنیاد پر حاکم پر امن طریقے سے معزول ہو سکتا ہے:

(۱)..... امام خود اپنے آپ کو معزول کر دے' استعفیٰ دے دے کہ میں آگے کام نہیں کر سکتا۔

(۲)..... امام پر کوئی ایسی حالت طاری ہو جائے جس کی وجہ سے وہ کاروبار حکومت چلانے کا اہل ہی نہ رہے۔ مثلاً پاگل ہو گیا' یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اپنے کام نہیں کر سکتا' تو ایسی صورت میں بھی وہ معزول ہو جائے گا

(۳)..... حاکم فسق کا ارتکاب کرے اور اس کا فسق اس کی ذات تک محدود ہو' مثلاً اس نے شراب پینی شروع کر دی۔ ایسے فسق کے بارے میں حکم یہ ہے ایسا امام معزولی کا مستحق تو ہے' لیکن اس کی وجہ سے اس کے خلاف مسلح بغاوت جائز نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پر امن طریقے سے معزول کیا جا سکتا ہو تو معزول کرنا واجب ہے۔ یا اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو یعنی

لوگوں کا مال نا حق طریقے سے لینے لگے لیکن اس میں جواز کا اشتباہ ہوسکتا ہے۔ جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ اس صورت میں اس کی اطاعت واجب ہے خروج جائز نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

الذی علیه العلماء فی امراء الجور انه ان قدر علی خلعه بلا فتنة ولا ظلم وجب، والا فالواجب نصر (فتح البا ری، کتاب الفتن، با ب قوله ﷺ هلاک امتی ج ۱۳ حدیث نمبر ۳۵۸).

یعنی! ظالم حکمرانوں کے بارے میں جس بات پر علماء متفق ہیں، وہ یہ ہے اگر انہیں اتارنے پر کسی فتنے یا ظلم کے بغیر قدرت ہو تو اسے ہٹانا واجب ہے، ورنہ واجب یہ ہے کہ صبر کیا جائے۔

صبر سے مراد یہ ہے کہ مسلح کاروائی کے ذریعے اسے ہٹانے کی کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ پر امن طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اختیار شوریٰ کو دیا جائے یا عدالت فیصلہ کرے وہ معزولی کا مستحق ہے یا نہیں، اگر معزولی کا مستحق ہو تو شوریٰ یا عدالت اس کو معزول کردے۔

اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے آپ ﷺ کی حدیث جو کہ حضرت انس سے مروی ہے جس میں حضور ﷺ نے تین قسم کے لوگوں پر لعنت فرمائی۔ ان میں سے ایک وہ حاکم۔ ہے جسے اس کی رعایا ناپسند کرتی ہو

فرمایا: ”ام قوما وهم له کارهون“ (جامع ترمذی : کتاب الصلوۃ ح ۳۵۸) .

آج کل اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ جب اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جا رہی ہو تو دستور میں کوئی ایسی دفعہ رکھنی چاہئے جس کے ذریعے ایسے مواقع پر اس کو پر امن طریقے سے الگ کیا جاسکے۔

(۴)...... قرآن کریم میں حاکم کے لئے کوئی خاص مدت بیان نہیں کہ اتنی مدت کے لئے حاکم بنایا جائے۔ تو شوریٰ یا کمیٹی ایک مدت متعین کردے۔ مدت پوری ہونے پر وہ حاکم خود ہی معزول ہو جائے گا۔

## سیاسی تحریکیں:

آج کل حکومت کی تبدیلی کے لئے یا حکومت سے جائز مطالبات منوانے کے لئے بھوک ہڑتال، جلوس، توڑ پھوڑ وغیرہ کے جو طریقے رائج ہیں شرعی اعتبار سے وہ کس حد تک جائز ہے؟ دراصل ہماری ساری زندگی، بالخصوص سیاسی زندگی کا

دار و مدار گذشتہ چند صدیوں سے مغربی افکار کی بنیاد پر ہو رہا ہے' اس لئے بہت سی باتیں سیاسی زندگی کا لازم حصہ بن گئی ہے۔ انہی میں احتجاج کے یہ طریقے بھی داخل ہیں۔ یعنی ہڑتالیں' جلوس' وغیرہ جن کے ذریعے حکومت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مطالبات تسلیم کرے۔

اس قسم کی سیاسی تحریکوں کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے بعض طریقے تو بالکل حرام اور ناجائز ہیں' مثلاً بھوک ہڑتال جو خودکشی کی حد تک پہنچ جائے یا کوئی بھی ایسا طریقہ جس میں کسی کی جان' مال یا آبرو پر حملہ کیا جائے یا سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس لئے کہ سرکاری املاک ملک کے تمام باشندوں کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے اور یہ ایسا گناہ ہے اس کی معافی بہت مشکل ہے کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اور اس کی معافی کے لئے صاحب حق کا معاف کرنا ضروری ہے۔ اور سرکاری املاک میں صاحب حق حکومت ہوتی ہے۔ اور یہ بات تو تقریباً ناممکن ہے کہ وہ قوم کے ہر ہر فرد سے معافی مانگے۔ اس لئے ایسی املاک کو نقصان پہنچانے کا مسئلہ شخصی املاک سے زیادہ سنگین ہے۔

عام ہڑتال میں اگر کسی پر جبر نہیں کیا جائے اور اپیل کی جائے کہ لوگ اپنا کاروبار بند رکھیں تو اس اپیل پر اگر کوئی خوش دلی سے عمل کرے تو شرعاً کوئی گناہ نہیں ایسی ہڑتال مباح تدبیر کے درجہ میں فی نفسہ جائز ہے۔ لیکن حقیقت میں اس طرح ہوتا نہیں ہے بلکہ اس میں سارے غیر شرعی کام کئے جاتے ہیں' جو ہڑتال میں حصہ نہ لے اسے غم و غصہ کا شکار بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب کسی مباح کو ناجائز امور کا ذریعہ بنالیا جائے تو سد ذریعہ کے طور پر اس کو ممنوع ہی کہنا چاہیے' اگر فی نفسہ جائز ہو۔

جلسے جلوسوں کا مسئلہ بھی یہی ہے اگر ان سے لوگوں کو غیر معمولی تکلیف نہ پہنچے تو وہ فی نفسہ جائز ہیں لیکن عام طور سے ان میں بھی جلاؤ گھیراؤ' اور عوام کے لئے مشکلات پیدا ہونا ایک لازمی حصہ بن گیا ہے' اور اگر یہ صورتحال ہو تو اس کو جائز نہیں کہہ سکتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شریعت میں حکومت پر دباؤ ڈالنے کا اور کوئی طریقہ ہے؟

شریعت نے ایک ایسا اصول بیان کر دیا ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو چاہے کتنی ہی جابر اور ظالم حکومت ہو چند گھنٹوں میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گی۔

وہ اصول ہے:

" لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق "

## خالق کی معصیت میں کس مخلوق کی اطاعت نہیں ہے:

جب ایک مرتبہ یہ اصول مان لیا جائے کہ کسی مخلوق کے حکم پر خالق کی نافرمانی نہیں کی جاسکتی' تو جتنے غیر اسلامی احکام نافذ ہیں، ان کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ اس صورت میں مجبوراً حکومت کو انہیں ختم کرنا پڑے گا۔ فرض کریں جج صاحبان عدالتوں کا بائیکاٹ کر دیں کہ جب تک ہمیں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار نہیں دیا جائے گا ہم کام نہیں کریں گے اسی طرح بنک کے ذمہ دار اور ملازمین یہ کہہ دیں جب تک بنکاری کا نظام سود سے پاک نہیں ہوتا ہم ان بینکوں میں کام نہیں کریں گے۔ اسی طرح ساری عوام مل کر غیر شرعی احکام کی تعمیل سے انکار کر دیں۔ جس دن یہ ہڑتال ہوگی۔ حکومت مجبور ہو کر یہ سارا نظام بدل دے گی۔ لیکن اس میں ہمیں اپنے مفادات کو قربان کرنا پڑے گا اگر ہم اس بات کا عزم کر لیں تو انشاء اللہ یہ قربانی ضرور رنگ لائے گی۔

## حکومت وقت کے خلاف مسلح کاروائی یا خروج:

دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت کے خلاف مسلح کاروائی کی جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست میں خانہ جنگی کو بدترین برائی سمجھا گیا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع جو کہ پوری انسانیت کے لئے منشور کی حیثیت رکھتا ہے اس میں آپ نے فرمایا:

" فان دمائکم و اموالکم "قال محمد و احسبه قال "و اعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا وستلقون ربکم فیسئالکم عن اعمالکم فلا ترجعن بعدی کفارا او ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض 'الا لیبلغ الشاهد الغائب 'فلعل بعض من یبلغه یکوناو عی له من بعض من سمعه 'ثم قال الا هل بلغت "

(صحیح بخاری 'باب حجة الوداع حدیث ۴۴۰۶: دار السلام)

یعنی: تمہارے خون' تمہارے مال اور (محمد بن سیرین کی روایت کے مطابق) تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر (مکہ) اور تمہارے اس دن (عید الاضحیٰ) کی حرمت ہے تم سب اپنے پروردگار سے جا کر ملو گے' پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ لہذا میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ خوب اچھی طرح سن لو کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں' وہ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس کو یہ بات پہنچائی جائے' وہ اصل سننے والے سے زیادہ اسے محفوظ رکھے۔ پھر فرمایا یاد رکھو' کیا

میں نے پیغام پہنچادیا۔

چنانچہ مسلمانوں کے درمیان لڑائی اور خانہ جنگی نہ ہو اس کے لئے شریعت نے بڑی سے بڑی برائی کو گوارا کرلیا ہے۔اسی لئے آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص حاکم بن جائے تو چاہے وہ فسق کا ارتکاب کرے اس کے خلاف بغاوت نہ کرو تا کہ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کی نوبت نہ آئے۔

حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے ایک مرتبہ آپ نے آخری زمانے کی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

" سیقو م فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیا طین فی جثمان انس

عنقریب تمہارے حکمران ایسے ہوں گے جن کے دل انسانوں کے بدن میں ہوتے ہوئے شیطانوں کے دل ہوں گے۔اس پر حضرت حذیفہؓ نے پوچھا یارسول اللہ اگر میں وہ زمانہ پالوں تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

" تسمع و تطیع لامیر و ان ضرب ظھرک و اخذما لک فاسمع و اطع

امیر کی سمع واطاعت سے کام لیتے رہو اور اگر تمہاری پشت پر مار پڑے اور تمہارا مال چھین لیا جائے تب بھی سمع واطاعت سے کام لو۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنا دفاع کرنا جائز نہیں۔بلکہ بغاوت سے منع کیا گیا جس سے مسلمانوں کے درمیان خونریزی ہو البتہ پرامن ذرائع سے معزول کرنا ضروری ہے۔جتناں ممکن ہو اپنا دفاع کرنا بھی جائز ہے۔اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

صرف ایک صورت ایسی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے مسلح بغاوت کے ذریعے امیر کو معزول کرنے کی اجازت دی ہے۔حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی:

علی السمع و الطاعۃفی منشطنا و مکرھناو عسرنا و یسرنا و اثرۃ علینا وان لا ننازع الامر اھلہ الا ان ترو ا کفربواحاعندکم من اللہ فیہ برھان "

ہم بیعت کرتے اس بات پر کہ ہم سمع وطاعت سے کام لیں گے چاہے پسندیدگی کی حالت ہو یا ناپسندیدگی کی، تنگی ہو یا خوشحالی، اور چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جارہی ہو، اور اہل اقتدار سے اس کے اقتدار میں جھگڑا نہیں کرینگے، الا یہ کہ تم ایسا کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ تعالی کی طرف سے واضح ثبوت موجود ہو۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ امیر کے خلاف ہتھیار اٹھا کر اس کا تختہ الٹنے کی کوشش صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے جب

اس سے کھلا کفر سرزد ہو جائے۔اس میں حضور ﷺ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ کفر بالکل واضح ہو۔اور امیر سے کفر کے سرزد ہونے پر واضح ثبوت یا دلیل ہو محض سنی سنائی باتوں یا پروپیگنڈہ کی بنیاد پر اسے کافر قرار نہ دیا گیا ہو۔

اس کے علاوہ دو اور شرطیں ظاہر ہیں' ایک یہ کہ اس کو طاقت کے ذریعے ہٹا دینے کی قدرت ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو معزول کرنے کی صورت میں اس سے بڑی خرابی وجود میں آنے کا اندیشہ نہ ہو۔مثلاً اگر وہ معزول بھی ہو جائے تب بھی خانہ جنگی کا خاتمہ نہ ہو بلکہ کوئی اور اقتدار کا طالب منظر عام پر آ جائے۔اور کسی ایک شخص پر لوگ متفق نہ ہوں۔سوائے خونریزی کے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو۔یا حالات اتنے بگڑے کہ دشمن ملک چڑھائی کر دے۔اور پورا ملک ہی کافروں کے قبضے میں چلا جائے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ حکمران کو اقتدار سے ہٹانے اور اس کے ظلم سے دفاع کرنے کی کوشش میں فرق ہے۔حکومت ختم کرنے کے لئے مسلح کاروائی تو صرف ''کفر بواح'' (کھلے ہوئے کفر) کی صورت میں جائز ہے۔البتہ اگر کوئی حکمران کسی شخص کی جان یا مال پر ناحق ظلم کرتا ہے تو اپنی جان اور مال کا تحفظ انسان کا حق ہے' اور اس تحفظ کے لئے اس کا ہتھیار اٹھانا بھی جائز ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے :

" من قتل دون ما له فهو شهيد " (صحیح بخاری' کتاب المظالم' حدیث ۲۴۸۰) ۔

ترجمہ:..... جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔

ترمذی ابوداؤد اور نسائی کی روایتوں میں یہ الفاظ ہیں:

" من اريد ماله بغير حق 'فقاتل و قو تل فهو شهيد "

(جامع الاصول لابن اثیر' حدیث ۲۴۶۱ ج ۲ ص ۷۴۲).

جس شخص کا مال کسی نے ناحق لینے کا ارادہ کیا ہو، اس کی وجہ سے وہ لڑا اور قتل ہو گیا تو وہ شہید ہے۔

اس قسم کی لڑائی جو اپنی مال یا جان کے دفاع میں لڑی جائے' عام طور پر انفرادی نوعیت کی ہوتی ہے۔اس کی وجہ سے سارے ملک میں خونریزی نہیں ہوتی جسے فتنہ کہا گیا ہے ۔

ایک اور صورت ہے کہ اگر امیر کا فسق دوسروں تک متعدی ہو رہا ہو' امیر لوگوں کا دین خراب کر رہا ہو مثلاً لوگوں کو معصیت

پر مجبور کر رہا ہو۔ اگر اس کا یہ رویہ کچھ افراد کے ساتھ ہو تو اکراہ کا حکم ہوگا اور مضطر (مجبور) کے احکام جاری ہوں گے' لیکن اگر حاکم نے یہ پالیسی بنالی اور مستقل طور پر لوگوں معصیتوں پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ اور غیر اسلامی قوانین بھی جاری کر دیے۔ اور ان غیر اسلامی قوانین کو شریعت کے مقابلے میں زیادہ بہتر سمجھتا ہے تو یہ صریح کفر ہے۔ اگر فوقیت تو نہیں دیتا لیکن تاویلا (شریعت کی غلط تشریح کر کے) یا تکاسلا (سستی کی بنا پر) اس کو چھوڑا ہوا ہے تو یہ اگر چہ کفر صریح نہیں ہے لیکن کفر کے حکم سے ملحق ہو سکتا ہے' کیونکہ اس سے بھی شریعت کی توہین ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں خروج جائز ہے ۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر نہایت جامع مفصل اور مدلل رسالہ تحریر فرمایا ہے'۔ اس میں حضرت نے اس موضوع پر تمام احادیث اور اقوال فقہاء کو جمع کر کے اس مسئلہ کے ہر پہلو کو واضح کر دیا ہے ۔ یہ رسالہ ''جزل الکلام عزل الامام'' کے نام سے ہے۔ حضرت کی باتوں کا خلاصہ تقریبا اوپر آ چکا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی اس کاوش کو اپنے بارگاہ میں شرف قبولیت عطاء فرمائیں۔ اور صحیح معنوں میں اس ملک کو اسلامی ریاست بنائے۔ ( آمین ثم آمین ) ۔

.....☆☆☆☆☆.....


## خوشخبری

اسلامی لٹریچر کے شائقین ،طلبہ کرام اور علماء حضرات کے لئے المباحث الاسلامیہ کی طرف سے خوشخبری ہے کہ مجلّہ کے اب تک کل شمارہ جات کا سیٹ رعایتاً پیش کیا جا رہا ہے.....

آیئے ،آگے بڑھیں اور اس پیشکش سے فائدہ اُٹھائیں۔

32 شماروں کی کل قیمت : 1920 روپے

رعایتی قیمت :1280 روپے

بچت : 640 روپے

برائے رابطہ:..... مولانا سید ابرار اللہ شاہ

موبائل نمبر:..... 0302-3524251 / 0928-331353

.....☆☆☆☆☆.....